UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

تصوف واصطلاحاتِ تصوف کا ایک مطالعاتی جائزہ

An Analytical Study of Mysticism and its Termonologies

Dr. Syed Atta Ūllā'h Bukhārī
Lecturer in Islāmic Studies, Cadet College Ghotkī, Sindh, Pakistan
Email: syedatta4@gmail.com

Dr. Ḥāfiz Munīr Aḥmed Khān
Dean Faculty of Islāmic Studies University of Sindh, Jamshoro, Pakistan
Email: hafiz.munir@usindh.edu.pk
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

Abstract:
Mysticism is an erea of knowledge, which purifies bodies, ethics and soul. Mysticism is based on soul. Man is composed of body and soul thus the importance of soul is static. To purify the soul it is essential to have knowledge of the Qurā'n and Ḥadith. A person knows well the Qurā'n and Ḥadith is called a mystic or a scholar of mysticism . Knowledge and mysticism are the best source to get closer to Allāh Almighty. Through this experience a person can reach the highest degree of spirtuality. All the secrets of universe are disclosed to him with this sort of knowledge, so the Mysticism is the soul of Islām and a fact of religion. It teaches love with human beings and religions as well as ethics, peace, brotherhood, unity and patriotism. The purpose of this article is to highlight the role of mysticism and mystics in imparting Islāmic education in our society for the revival of Islām and it culture.

Keywords: *'Mysticism, Mystics, Religion, Revive, Ideas And Role.*

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو عناصر کا مرکب بنایا ہے ایک جسم اور دوسرا روح، پھر انسان اپنی فطرت کے مطابق اپنے ظاہر کو نکھارنے سنوارنے میں محنت شاقہ سے کام لیتا ہے لیکن جہاں مذہب انسان کو ظاہر کو نکھارنے کی تعلیم دیتا ہے وہی مذہب انسان کو باطن کے نکھار اور اصلاح نفس کی بھی تعلیم دیتا ہے، لہذا انبیاء کرام نے اپنی اپنی تعلیمات میں اصلاح نفس وتزکیہ نفس کی بھی تعلیم فرمائی ہے اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ مذاہب کے نیک لوگوں نے اصلاح نفس اور تزکیہ نفس کی ذمہ داری کا کام سرانجام دیا اور ایسے طبقے کو مختلف مذاہب میں مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے لہذا تصوف اور صوفی ازم بھی ان میں سے ایک ہے، ابتداء اسلام میں اصلاح نفس، علم القلب، علم الاخلاق اور احسان کے نام موجود ہیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ایسا گروہ باقاعدہ ایک شعبہ کی صورت اختیار کر گیا جسے تصوف اور صوفی ازم کہا جاتا ہے، یوں تو یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بطور اصطلاح

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

موجود نہیں تھے لیکن اس کے اغراض و مقاصد وہی ہیں، جس کی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، لہٰذا تصوف اور اصطلاحات تصوف پر یہ اعتراض کرنا اور موجودہ دور میں اس کی ضرورت کا انکار درست نہیں ہے، اس مقالے میں ایسے اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں جو تصوف اور اصطلاحات تصوف، تعلیمات تصوف پر اثر انداز ہوتے ہیں، کیوں کہ صوفیاء کرام نے جو نظام معاشرت کا تصور پیش کیا اس میں امن، محبت، اخوت، بھائی چارگی، ادب واحترام، صلہ رحمی اور حسن سلوک کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔ لہٰذا اس مضمون کے تحت تصوف کا تعارف و حقائق تصوف، واصطلاحات تصوف کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

تصوف کیا ہے؟

انسان ہی حق تعالیٰ کی صفات کا مظہر اور حکمت و دانش، عشق و سرمستی اور نامعلوم کی جستجو اسی کی سرشت میں شامل ہے۔ جب خودشناسی و خود آگہی کی منزل انسان طے کر لے تو دست نگر رہنے کی بجائے وہ دستگیری کے بلند مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ معرفت ذات کے ساتھ اسے معرفت خدا بھی حاصل ہو جاتی ہے، کل جہاں اس کی دسترس میں ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ درس عظیم تھا، جو صوفیاء کرام نے قوانین اسلام کے مطابق یہاں بسنے والے ہر انسان کو دیا، جس سے ان کے دلوں میں خودشناسی کی ایک نئی روح پیدا ہو گئی۔ اس سرزمین کی فضاوں میں صوفیاء نے جذب و مستی، فقر و درویشی، محبت و عاجزی، ایثار و تعظیم، قناعت و خوشی اور ازلی و ابدی صداقتوں کی ہر سو روشنی بکھیر دی۔ لہٰذا اس مقالے میں تصوف اور اصطلاحات تصوف کو صوفیاء کرام کے اقوال کی روشنی میں ایک مطالعتی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

لفظ "تصوف" کا ماخذ

لفظ "تصوف" و "صوفی" کے ماخذ کے سلسلے میں علماء کرام و صاحب معرفت حضرات کی کافی آراء موجود ہیں، اس سلسلے میں لفظ "تصوف" اور "صوفی" کے نام کی تحقیق کے بارے مندرجہ ذیل اقوال مذکور ہیں:

(ا) صفا:

شیخ ابوالنصر سراجؒ صوفی کو صفا سے مشتق قرار دیتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

"صوفی صفا سے مشتق ہے اور اس کا اطلاق صفا پر ہوتا ہے" [1]

اس تعریف کے مدنظر صوفی ایسا شخص ہوا، جس کا دل مادیت پرستی اور دنیاوی رغبتوں سے پاک ہو، اعمال کی درستگی کا معیار دل کی صفائی پر منحصر ہے، یہ معنی لفظ "تصوف اور صوفی" کے ماخذ کے سلسلے میں تو صحیح ہے لیکن لغت کے اعتبار سے جس لفظ کا اشتقاق صفا سے ہو گا وہ "صفوی" ہو گا، نہ کہ صوفی۔

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

(۲) صوف:

یہ خیال کیاجاتاہے کہ لفظ صوفی صوف سے نکلاہے اور اس کے معنی ہے بڑے بڑے بالوں والا، عموما صوفی حضرات بڑے بڑے بال رکھتے ہیں، اس لئے لوگوں میں ایسے لوگ صوفی مشہور ہوئے۔

(۳) صوفہ:

مولاناشرر لکھنوئی کی رائے کے مطابق لفظ صوفی کا تعلق صوفہ سے بتایاہے وہ رقمطراز ہیں:

"جاہلیت عرب میں صوفہ نام کا ایک گروہ تھاجو تارک الدینا ہوکے عبادت و ریاضت میں مشغول رہاکرتا تھااور کعبہ کے پاس بیٹھاکرتا تھا، یہ لوگ صوفہ لوگ خاندان میں غوث بن مریدین میں سے تمیم بن مرہ ایک قبیلہ تھاپھر بعد میں بعثت نبوی اسلام میں جولوگ ان کے ہم مذاج پیداہوئے وہ بھی ان ہی کی طرف منسوب ہوکے صوفی کہے جانے لگے"۔[۲]

(۴) صف:

بعض آئمہ کرام کاخیال ہے کہ لفظ صوفی "صف" سے مشتق ہے یعنی صوفیاء کرام ترک دنیاکے قائل ہوتے ہیں اور اسی بدولت بارگاہ خداوندی میں انہیں صف اول میں جگہ ملتی ہے۔[۳]

(۵) تھیاسوفی:

یونانی لفظ تھیاسوفی کاترجمہ "حکمتِ خدا" ہے اس نقطہ نگاہ سے صوفی کا اطلاق اس شخص پر کیاجائے گا، جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کاطلبگار ہو۔[۴]

(۶) صوف:

بعض اہل معرفت کے نزدیک تصوف کامشتق صوف ہے جس میں امام قشیریؒ، عثمان علی ہجویریؒ، شیخ ابو نصر سراجؒ سرفہرست ہیں۔

امام قشیریؒ رسالہ قشیریہ میں رقمطراز ہیں:

"صوفیاء ایسے لوگوں کوکہاجاتاہے جواپنے ظاہر سے زیادہ اپنے اندر کے تزکیہ اور تصفیہ کی طرف توجہ دیتے ہیں اور دوسروں کو اسی کی دعوت دیتے ہیں۔اب لفظ صوفیاء اپنے لغوی معنی(اون کا لباس پہننے والے)میں استعمال نہیں ہوتا، بلکہ ایسے لوگوں کے لیے استعمال ہوتاہے جو اپنے اندر کے تزکیہ و تطہیر کی طرف توجہ دیتے ہیں۔اور اب یہ لفظ ایسے ہی لوگوں کے لیے لقب کی صورت اختیار کرچکاہے۔لیکن چوں کہ ابتدامیں ایسے لوگوں کااکثر لباس صوف(اون) ہی

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

ہوتا تھا، اس وجہ سے ان پر یہ نام پڑ گیا، اگرچہ بعد میں ان کا یہ لباس نہ رہا"۔ [۵]

حضرت عثمان علی ہجویریؒ فرماتے ہیں:

"تصوف کا اصل مادہ صوف ہے، جس کا معنی ہے اون۔ اور تصوف کا لغوی معنی ہے اون کا لباس پہننا، جیسے تقمص کا معنی ہے قمیص پہننا۔" [۶]

عبد الماجد دریا آبادیؒ شیخ ابو نصر سراجؒ کے ایک قول کو نقل کرتے ہیں

"بزرگ صوفیاء کرام کا لباس انبیاء کرام کی تقلید میں صوف یعنی پشمینہ کا ہوتا تھا، اس لیے یہ صوفی کہلانے لگے"۔ [۷]

نتیجہ بحث:

مندرجہ بالا اقوال کی روشنی میں جو نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں وہ یہ کہ ان میں سے دو الفاظ کو قرین قیاس قرار دینا صحیح ہے ایک لفظ "صوف" اور دوسرا "صفا" کیوں کہ یہ دونوں الفاظ تصوف اور صوفی کی حقیقت کو خوب واضح کرتے ہیں، کیوں کہ صوف لفظ عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں بھیڑ اور بکری کے بال اور اسی طرح صوف کو پشم بھی کہا جاتا ہے اور پشم سے لفظ پشمینہ بنا ہے، اسی لحاظ سے اسے پشمینہ پوش صوفی کو کہتے ہیں پشمینہ پوش سادگی کی علامت ظاہر کرتی ہے، اس لئے اہل تصوف نے پشمینہ پوشی اختیار کی، اب عرف عام میں اسے "جبّہ" بھی کہتے ہیں عصر حاضر میں بھی صوفیاء و علماء کرام پشمینہ استعمال کرتے ہیں، اس لئے غالب گمان ہے کہ صوفیوں کو پشمینہ پوشی کی نسبت سے اس لقب سے یاد کیا گیا ہے اور لفظ صفا کو اس لئے قابل ستائش ہے، صفا کی ضد 'کدر' آتی ہے کسی چیز کی لطافت کا نام صفا ہے اور کثافت کا نام کدورت ہے، پس جب صوفیاء کرام نے اپنے معاملات اور اخلاق کو مہذب اور شائستہ بنایا اور انہوں نے طبیعت کی برائیوں سے خود کو دور رکھا، اسی وجہ سے انہیں صوفی کہا جانے لگا۔

حقائق تصوف اور اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں تصوف کے کئی نام ہیں، علم القلب، علم الاخلاق، احسان، سلوک اور طریقت، یہ سب ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں، قرآن و سنت میں اس کے لیے زیادہ تر "احسان" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ہمارے زمانے میں لفظ "تصوف" زیادہ مشہور ہو گیا ہے بہر حال حقیقت ان سب کی ایک ہے اور وہ یہ کہ ہمارے بہت سے افعال جس طرح ہمارے ظاہری اعضاء سے انجام پاتے ہیں، اسی طرح بہت سے اعمال ہمارا قلب انجام دیتا ہے، جن کو "اعمال باطنہ" کہا جاتا ہے جس طرح ہمارے ظاہری افعال شریعت کی نظر میں کچھ اچھے اور فرض و واجب ہیں اور کچھ ناپسندیدہ اور حرام و مکروہ، اسی طرح باطنی اعمال قرآن و سنت کی نظر میں کچھ پسندیدہ اور فرض و واجب

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

ہیں، جیسے تقویٰ، اللہ کی محبت، اخلاص، توکل، صبر وشکر، تواضع، خشوع، قناعت، حلم، سخاوت، حیاء، رحم دلی وغیرہ، ان باطنی پسندیدہ اخلاق کو "فضائل" اور "اخلاق حمیدہ" کہا جاتا ہے، اور کچھ باطنی اعمال برے اور حرام ہیں، جیسے تکبر، عجب، غرور، ریاء، حب جاہ، حب مال، بخل، بزدلی، لالچ، دشمنی، حسد، کینہ، سنگدلی اور بے محل یا حد سے زیادہ غصہ وغیرہ، ان کو "رذائل" یا "اخلاق رذیلہ" کہا جاتا ہے۔ "فضائل" اور "رذائل" دونوں کا تمام تر تعلق قلبی احوال اور نفس کی اندرونی کیفیتوں سے ہے مگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہمارے یہی قلبی احوال اور اندرونی کیفیتیں درحقیقت ہمارے تمام ظاہری افعال کی بنیاد اور اساس ہیں، ظاہری اعضاء سے ہم اچھا یا برا جو کام بھی کرتے ہیں، درحقیقت وہ انہی باطنی "فضائل یا رذائل" کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مثلاً تقویٰ اور اللہ کی محبت، یہ قلب کی اندرونی کیفیتیں ہیں مگر ان کا اثر ہمارے تمام ظاہری اعمال پر پڑتا ہے، ہماری ہر عبادت نماز روزہ وغیرہ انہی دو باطنی اخلاق کی پیداوار ہے، ہم نفسانی اور شیطانی تقاضوں کے باوجود اگر بد نظری، لڑائی جھگڑے اور جھوٹ وغیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں تو اس اجتناب کا اصل محرک بھی یہی تقویٰ اور اللہ کی محبت ہے، اسی طرح ظاہری اعضاء سے ہم جو گناہ کرتے ہیں اس کا سبب بھی کوئی نہ کوئی باطنی خصلت ہوتی ہے، مثلاً مال کی محبت یا جاہ پسندی یا عداوت یا حسد یا غصہ یا آرام طلبی یا تکبر وغیرہ۔ تمام ظاہری اعمال کا حسن وقبح اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مقبول یا مردود ہونا بھی ہمارے باطنی اخلاق پر موقوف ہے، مثلاً اخلاص وریا، یہ قلب ہی کے متضاد اعمال ہیں، مگر ہمارے تمام ظاہری اعمال کا حسن وقبح ان سے وابستہ ہے، کوئی بھی عبادت نماز، حج وغیرہ جو محض ریا کے طور پر دنیا کی شہرت حاصل کرنے کے لیے کی جائے، عبادت نہیں رہتی اور تجارت ومزدوری جو اپنی اصل کے اعتبار سے دنیاداری کا کام ہے مگر حکم خداوندی کی تعمیل میں اللہ کی رضا کی نیت سے کی جائے تو یہی تجارت ومزدوری باعث اجر وثواب اور عبادت بن جاتی ہے، یہ ریا اور اخلاص ہی کا کرشمہ ہے، یہی وہ حقیقت ہے جس کی نشاندہی رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں فرمائی ہے کہ:

> "ہوشیار رہو کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست ہوتا ہے اور وہ خراب ہو تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے، ہوشیار رہو کہ وہ دل ہے۔"[۸]

اسی لیے تمام علماء وفقہاء کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ رذائل سے بچنا اور فضائل کو حاصل کرنا ہر عاقل، بالغ پر فرض ہے، یہی فریضہ ہے جس کو اصلاح نفس یا تزکیہ نفس اور تزکیہ اخلاق یا تہذیب اخلاق کہا جاتا ہے اور یہی تصوف کا حاصل ومقصود ہے۔ دل کی پاکی، روح کی صفائی اور نفس کی طہارت ہر مذہب کی جان اور نبوتوں کا مقصود رہا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت میں تزکیہ بھی شامل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

''ویزکیھم''[9] یعنی آپ مسلمانوں کے اخلاق واعمال کا تزکیہ فرماتے ہیں، اسی طرح قرآن نے ہر انسان کی کامیابی ونامرادی کا مدار بھی اسی تزکیہ نفس پر رکھا ہے۔ ''قدأفلح من زکھا وقدخاب من دسھا''[10] یعنی یقیناوہ مراد کو پہنچا جس نے نفس کو پاک کر لیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے رذائل میں دھنسادیا۔

" وَذَرُواْ ظَـاهِرَ الإِثْـمِ وَبَاطِنَـهُ إِنَّ الَّـذِينَ يَكْسِـبُونَ الإِثْـمَ سَـيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُواْ يَقْتَرِفُونَ" [11]

تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی، بلاشبہ جو لوگ گناہ ظاہر کا یا باطن کا کر رہے ہیں ان کو ان کے کیے کی سزا عنقریب ملے گی۔

باطنی گناہ قلب کے وہی گناہ ہیں جن کے متعلق پیچھے عرض کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے تمام ظاہری گناہوں کا منبع ہیں، ہمارے ہر گناہ کا سوتا وہیں سے پھوٹتا ہے۔

تصوف کی اصطلاح میں انہی کو رذائل یا اخلاق رذیلہ کہا جاتا ہے ان کے بالمقابل دل کی نیکیاں اور عبادتیں ہیں جو ہماری تمام ظاہری عبادتوں اور نیکیوں کا سرچشمہ ہیں، ہر عبادت اور ہر نیکی انہی کی مرہون منت ہے، قلب کے ان نیک اعمال کو تصوف کی اصطلاح میں فضائل یا اخلاق حمیدہ کہا جاتا ہے۔ لہذا یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ اخلاق حمیدہ کی تعلیمات کو علم کے میدان میں تصوف کا نام دیا گیا ہے۔ کیوں کہ تصوف بھی باطن کو نکھارنے کا نام ہے اور اخلاق حمیدہ بھی باطنی اوصاف کا نام ہے۔

حقیقت تصوف صوفیاء کرام کے اقوال کی روشنی میں

(۱) حضرت جنید بغدادیؒ تصوف کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''حق تعالیٰ تمہاری نفسانیت کو مردہ کر کے اپنے ساتھ تمہیں زندہ رکھے''[12]

(۲) شیخ شہاب الدین سہروردیؒ حضرت سہل بن عبد اللہ تستری کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ''صوفی وہ ہے جو کدورت سے صامت، فکر سے خالی اور اللہ کے لیے انسانوں سے منقطع رہے اور اس کی نظر میں سونا اور مٹی برابر ہو''[13]

(۳) حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''سیر وسلوک سے مقصود نفس امارہ کا تزکیہ اور اسے پاک کرنا ہے، تاکہ جھوٹے خداؤں کی عبادت سے جو انسانی خواہشات کے وجود سے پیدا ہوتی ہیں، نجات حاصل ہو جائے اور حقیقت میں خدائے واحد برحق کے سوا کوئی توجہ کا قبلہ نہ رہے''[14]۔

اور بعض آئمہ کرام کے نزدیک جس طرح علم فقہ کا حصول فرض ہے اسی طرح علم تصوف کا حصول بھی

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

فرض ہے، ان کے نزدیک فقہ کی طرح علم تصوف کا بھی ایک حصہ فرض عین اور پورا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ جس طرح ہر مرد و عورت پر اپنے اپنے حالات و مشاغل کی حد تک ان کے فقہی مسائل جاننا فرض ہے اور پورے فقہ کے مسائل میں بصیرت و مہارت پیدا کرنا اور مفتی بننا سب پر فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے، اسی طرح جو اخلاق حمیدہ کسی میں موجود نہیں، انہیں حاصل کرنا اور جو رذائل اس کے نفس میں چھپے ہوئے ہیں ان سے بچنا، تصوف کے جتنے علم پر موقوف ہے اس کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور پورے علم تصوف میں بصیرت و مہارت پیدا کرنا کہ دوسروں کی تربیت بھی کرسکے، یہ فرض کفایہ ہے۔

مفتی شفیع عثمانیؒ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۲۲ (ليتفقه في الدين) کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں

"علم تصوف بھی فرض عین میں داخل ہے احکام ظاہرہ نماز، روزے کو تو سب ہی جانتے ہیں کہ فرض عین ہیں، اور ان کا علم حاصل کرنا بھی فرض عین ہے۔

آپ مزید لکھتے ہیں:

اس جگہ فرض عین سے مراد اس کا صرف وہ حصہ ہے جس میں اعمال باطنہ فرض و واجب کی تفصیل ہے، مثلاً عقائد صحیحہ جس کا تعلق باطن سے ہے یا صبر، شکر، توکل، قناعت وغیرہ ایک خاص درجے میں فرض ہیں، یا غرور و تکبر، حسد و بغض، بخل و حرص دنیا وغیرہ جو از روئے قرآن و سنت حرام ہیں، ان کی حقیقت اور اس کے حاصل کرنے یا حرام چیزوں سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے علم تصوف کی اصل بنیاد اتنی ہی ہے جو فرض عین ہے۔"[۱۵]

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۲۲ (لیتفقہ فی الدین) کے تحت رقمطراز ہیں:

"علم لدنی جس کے حامل صوفیاء کرام ہوتے ہیں فرض عین ہے کیوں کہ اس کے باطنی علم کے دو مقصد ہوتے ہیں ایک اللہ کے سوال ہر چیز کی رغبت کو دل سے نکال دینا، ہر دم اللہ کے سامنے اپنے کو حاضر سمجھنا خود پسندی، غرور، حسد، ترک دنیا، عبادت میں سستی، خواہشات نفس، ریاکاری، شہرت طلبی اور دوسرے اخلاقی عیوب سے نفس سے پاک رکھنا، اور دوسرا گناہوں سے توبہ رضا بالقضاء، مصائب پر صبر، نعمتوں کا شکر اور دوسرے اچھے خصائل و مکارم اخلاق سے اپنے نفس کو آراستہ رکھنا۔ اور ظاہر ہے ہر شخص کے لئے ان ممنوعات سے پرہیز اور فرائض کی پابندی سے زیادہ اہم اور ضروری ہے جن کا تعلق اعضاء جسمانی سے ہے ہر شخص کے لئے ان

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

ممنوعات سے پرہیز اور فرائض کی پابندی سے زیادہ اہم اور ضروری ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں پر نظر نہیں رکھتا بلکہ تمہارے دلوں پر دیکھتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے جس چیز پر فرض عین کا مدار ہو وہ خود فرض عین ہو گی لہذا علم لدنی جس کے حامل صوفیاء کرام ہیں فرض عین ہے"۔[16]

علم کے مقام میں "اصطلاحات" کی اہمیت وافادیت:

بعض معترضین کا یہ خیال ہے تصوف کی طرح اس کی اصطلاحات بھی غیر اسلامی رسومات پر مبنی ہیں، لیکن یہ نظریہ کافی حد تک غلط ہے کیوں کہ ہر صاحب علم وہنر اور ہر اہل معاملہ کے اپنے اسرار کے اظہار وبیان کے لئے مخصوص اشارات و کلمات ہوتے ہیں جنہیں ان کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ اسی طرح مختلف علوم مثلا کیمسٹری، فزکس و دیگر علوم میں بھی ایسی اصطلاحات موجود ہوتی ہیں جو عام انسان کی سمجھ سے بالا تر ہوتی ہیں۔ الفاظ و عبارات کی اصطلاحات وضع کرنے سے ان کی دو چیزیں مراد ہوتی ہیں ایک یہ کہ سمجھنے میں سہولت ہو اور مشکلات کو آسان بنایا جائے تاکہ فہم مرید کے قریب ہو جائے، دوسرے یہ کہ ان کے اسرار کو ان لوگوں سے چھپایا جائے جو صاحب علم نہیں ہیں ان کے دلائل وشواہد واضح ہیں مثلا اہل لغت کی خاص اصطلاحات، مخصوص الفاظ اور عبارات ہیں جن کو انہوں نے وضع کیا ہے جیسے ماضی، حال مستقبل، صحیح معتل وغیرہ، اسی طرح اہل معرفت کی بھی اپنی وضع کردہ اصطلاحات و الفاظ ہیں جن سے وہ اپنا مطلب ظاہر کرتے ہیں تاکہ وہ علم تصوف میں اس کا استعمال کریں اور جسے چاہیں اپنے مقصود کی راہ دکھائیں اور جس سے چاہیں اس سے چھپائیں لہذا ان میں سے بعض الفاظ و کلمات کی تشریح کرنا مناسب سمجھتا ہوں اور ان میں جو فرق و امتیاز ہے اس کی وضاحت کرتا ہوں تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

(۱) حال/مقام:

اہل تصوف میں سے "احوال" اور "مقامات" کے حوالے سے صوفیاء کرام نے اپنے علم، مشاہدات، کے مطابق مقام اور حال کا تعین کر کے اسے ترتیب وار رکھا ہے، کیوں کہ تصوف قال کا نہیں حال کا نام ہے اس زاویے سے صوفیاء کرام نے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں تعریفات بیان کی ہیں اسی لئے حال اور مقام کی ترتیب و تعین میں نہ صرف فرق پیدا ہوا بلکہ اس کی تعداد میں مختلف صوفیاء نے مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔

"حال، مقام کے متعلق صاحب معرفت کے اقوال"

امام قشریؒ اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

"حال، ایک کیفیت ہے جو بلا ارادہ اور بغیر کوشش کے ان کے دل پر طاری ہوتی ہے۔"[17]

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

سید مخدوم علی ہجویری "حال" کی تعریف بیان کرتے ہیں

"حال ،وقت پر وارد ہونے والی ایک حالت ہے کہ اس پر وارد ہو کر اسے یوں آراستہ و پیراستہ کر دیتی ہے جس طرح روح جسم کو وہ حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر وارد ہونے والی چیز ہے اور جب وارد ہوتی ہے تو ہر چیز کی نفی کر دیتی ہے"[۱۸]

مشائخ چشت میں سے ایک نامور صوفی سید محمد ذوقیؒ "حال" کے متعلق فرماتے ہیں

"حق تعالیٰ کی طرف سے جو واردات سالک کے دل پر مثل قبض وبسط یا حزن وطرب یا ہیبت و انس یا مستی و بے خودی یا از اقسام دیگر اچانک وارد ہوں "حال" ہے۔"[۱۹]

"مقام" مقام آداب صوفیاء کی اس منزل کو کہتے ہیں جسے بندہ خدا کی طرف سے حاصل کرتا ہے جہاں تک بندہ کسی قسم کے تصرف سے پہنچتا ہے یا تلاش اور تکلیف کر کے اسے حاصل کرتا ہے۔ اہل تصوف کی اصطلاح میں "مقام" اس درجہ یا منزل میں شامل ہے جسے ایک صوفی اللہ کی طرف سے حاصل کرتا ہے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ فرماتے ہیں

"مقام عبارت ہے اس اقامت سے جو طالب حق اپنے مطلوب کے حقوق ادا کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے"[۲۰]

گزشتہ عبارات میں آئمہ صوفیاء کا تعریفات میں اختلاف ضرور ہے مگر مقاصد مشترک ہی سامنے آتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے مقامات کسبی ہوتے ہیں اور احوال سعی و کوشش کے بغیر حاصل ہوتے ہیں مقامات کے حصول کے لئے محنت اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے اور صاحب مقام اپنے مکان پر متمکن ہوتا ہے اس کے برعکس حال اپنے مقام سے ترقی کرتا رہتا ہے، حال کی کیفیت زائل ہوتی رہتی ہے اور مقام کی کیفیت ہمیشہ کے لئے قائم ہو جاتی ہے۔

(۲) (قبض وبسط)

راہ سلوک کے مسافروں میں بعض اوقات ایسی کیفیت بھی در پیش آجاتی ہے انکے قلب پر ایک طرح کا پردہ حائل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے دل میں روحانی سکون و راحت نہیں پاتے انہی واردات قلبی کے موقوف ہو جانے کو اصطلاح تصوف میں "قبض" کا نام دیا گیا ہے امام قشیریؒ "قبض" کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"قبض کا ادنیٰ ترین سبب یہ ہوتا ہے کہ صوفی کے دل پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے جس کی

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

وجہ سے عتاب کا اشارہ یا اس بات کا رمز ہوتا ہے کہ وہ سزا کا مستحق ہے"[۲۱]

مولانا اشرف علی تھانویؒ حالت "قبض" کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں

"قبض میں سالک کو نا امید و دل شکستہ نہ ہونا چاہیے کیوں کہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں ایک ظاہر مصلحت جو ہر قبض میں مشترک ہے، یہ ہے کہ قبض سے سالک کو ایک خاص انکسار اور شکستگی اپنے کو محض ہیچ اور ناچیز اور ذلیل اور حقیر سمجھنا اور عجب دیندار کمال کا قطعاً نظر اور التفات سے اٹھ جانا یہ امور بلا مجاہدہ حاصل ہو جاتے ہیں اس حالت میں نا امید اور پیریشان نہ ہوں بلکہ اس پر صبر کرے اور راضی رہے، قبض میں مرشد کی طرف رجوع کرے، سالک قبض میں اپنی رائے پر ہر گز عمل نہ کرے"۔[۲۲]

"بسط" روحانی طور پر صوفی پر کشائش اور علوم و فیوض کا ہونا بسط کہلاتا ہے، حالت قبض میں جہاں صوفی پر واردات قلبی مفقود ہو جاتی ہے وہاں حالت "بسط" میں ان پر کشادگی کی کیفیت وارد ہو جاتی ہے اور وہ امور جو ان پر حالت قبض میں حجاب میں رہے ہوں حالت بسط میں منکشف ہو جاتے ہیں۔ ابو نصر سراج اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "کتاب اللمع فی التصوف" میں فرماتے ہیں۔

"بسط بھی عارف کامل کا حال ہوتا ہے جسے اللہ نے کشادگی عطا فرمائی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی حفاظت فرماتا ہے"[۲۳]

علامہ ذوقیؒ نے حالت "قبض" کی طرح حالت "بسط" کی بھی دو قسمیں کی ہیں آپ فرماتے ہیں:

"بسط بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک مضر اور دوسرا مفید، کسی درمیانی منزل کی دلچسپی سالک کی دل کی وابستگی کا باعث ہوا اور وہ اسے اسی درمیانی منزل میں روک لے اور آگے نہ بڑھنے دے تو یہ مضر قسم کا بسط ہے، مگر جب درمیانی منازل کی دلچسپیاں دیکھنے کا اشتیاق دل میں بھڑکائیں تو یہ مفید قسم کا بسط ہے"۔[۲۴]

خلاصہ کلام یہ کہ اہل تصوف لوگوں کا کسی وقت تو یہ حال ہوتا ہے کہ اسرار الٰہی کے قلب و روح پر بلا کسی خاص کاوش کے کھلتے اور منکشف ہوتے رہتے ہیں اور دل خود ہی اسی طرف کھینچا چلا جاتا ہے اور کسی وقت خواہش و کاوش کے باوجود نہ دل کی کلی کھلتی ہے اور نہ روح ادھر ادھر غائب ہوتی ہے اول الذکر حالت "بسط" اور موخر الذکر "قبض" کہلاتی ہے۔

(۳) فناء وبقاء

صوفیاء کرام کے نزدیک فنا و بقا وہ منزلیں ہیں جہاں پہنچ کر ایک صوفی خود کو خود سے جدا کرلیتا ہے، اسے

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

کائنات کے ذرے ذرے میں خدا نظر آنے لگتا ہے، اسی عالم خود فراموشی کا اصطلاح تصوف میں "فنا" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس وقت عارف خود کو ذات خدا میں حلول کر دیتا ہے لیکن وہ ہوش میں آتا ہے اور خالق اور مخلوق کو الگ الگ ذات محسوس کرتا ہے تو اصطلاح تصوف میں ایسی منزل کو "بقا" کہتے ہیں، صوفیاء کرام کے نزدیک فنا کے بعد مقام بقا ہے۔ شیخ ابو نصرؒ اس حوالے سے فرماتے ہیں۔

> "بندے کے اپنے افعال کو افعال حق میں فنا کر دینے اور خود اپنی ذات کو فنا کر کے ذات حق کے ساتھ قائم رہنے کو بھی فنا کہتے ہیں، اور "بقا" اللہ کی ذات میں اپنی ذات کو گم کر کے اسی کے ساتھ قائم رہنے پر باقی رہنے کو کہتے ہیں"۔[۲۵]

عبد النصیر بن عبد البصیر فرماتے ہیں

> "صوفیاء کرا کے نزدیک "فنا" مذموم اوصاف کا ساقط ہونا ہے، اور "بقاء" سے مراد اوصاف محمودہ کا بندہ کے ساتھ قائم ہونا ہے جس شخص نے ان افعال کو جو شریعت میں مذموم قرار دیے گئے ہیں ترک کر دیا اس کے متعلق یوں کہاں جائے گا کہ وہ اپنی خواہشات سے فنا ہو چکا ہے"۔[۲۶]

شیخ محی الدین ابن عربیؒ "فتوحات مکیہ" میں فرماتے ہیں:

> "عالم جمال اللہ ہے اور اللہ اپنے ہی جمال کا محب ہے، اب جو بھی عالم کو اس نظر سے محبوب رکھتا ہے وہ جمال حق اور صورت حق جمال ہی کو محبوب رکھتا ہے"۔[۲۷]

اقوال بالا کی روشنی میں جو خلاصہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ "فنا" اور "بقا" محور قرآنی تعلیمات کے پیش نظر ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ماعندکم ینفد وما عند اللہ باق" یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے) مقام فنا اور مقام بقا کے متعلق خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی تفسیر و تشریح فرمادی ہے تاکہ کسی کی بحث کی گنجائش نہ رہے خلاصہ یہ کہ "فنا اور بقا" کا خلاصہ یہ ہے کہ زندگی سمیت کل کائنات فانی ہے کائنات اور اس کی خوبصورتی اور اس کے تمام موجودات عارضی ہیں لہذا اہل تصوف اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ راہ سلوک کے مسافر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ فانی چیزوں کے حصول کے لئے کوشش کرے، صوفی کی معراج اس میں پوشیدہ ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ اور قرآن کریم کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے تمام دنیاوی چیزوں اور اس کی عارضی خوبصورتی سے بے نیاز ہو جائے اور فکر آخرت کو اپنا شعار بنائے یہ "خیر وابقیٰ" یعنی ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔

(۴) فقر

لفظ "فقر" قرآنی ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ پر اپنی بے نیازی اور بندوں کی محتاجی کو واضح کیا ہے

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

''و اللہ الغنی و انتم الفقراء''۲۸ یعنی اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج۔

تصوف مکمل طور پر خود کو خدا کے سپرد کر دینے کا نام ہے اور اطاعت الٰہیہ اختیار کرنے کا نام ہے اور اس مقام پر صوفی کی بارگاہ خداوندی میں کمال محتاجی اور نیاز مندی ظاہر ہوتی ہے اس لئے اہل تصوف نے ''فقر'' کو تصوف میں خاص اہمیت ظاہر کی ہے اس لئے عام طور پر راہ سلوک کے مسافر عوام میں خود کو ''فقیر'' کہلاتے ہیں۔

کشف المحجوب میں حضرت مخدوم علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر اختیار کیا اور فرمایا:

" اللهم أحييني مسكينا وأمتنى مسكينا واحشرنى فى زمرة المساكين "۲۹۔

اے اللہ مجھے فقیری کی حالت میں زندہ رکھ اور فقیری کی حالت میں مار اور فقیروں کے زمرہ میں میرا حشر فرما۔

مزید فرماتے ہیں:

میری امت کے فقراء میری امت کے مالداروں سے نصف یوم یعنی پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہونگے۔ فقر کی تعریف کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''ذات خداوندی کے ماسوا تمام چیزوں سے دل کو فارغ رکھنے کا نام فقر ہے'' ۳۰

اہل تصوف کے نزدیک اصطلاح ''فقر'' صرف ظاہری معنی و مفہوم میں استعمال نہیں کی جاتی کیوں کہ اکثر صوفیاء ظاہری طور پر بھی مال و دولت کی طرف سے فقیر ہوتے ہیں لہذا ابسا اوقات فقر سے مراد اکثر دل کا غنا ہے یعنی صوفی کا دل دنیا سے مستغنی ہو۔

''اللہ عزوجل نے فقر کا بلند درجہ کیا ہے اور فقراء ہی کو اس کے ساتھ مخصوص گردانا اس لئے کہ انہوں نے ظاہری اور باطنی اسباب کو چھوڑ کر بالکل مسبب یعنی خدا کی ذات کی طرف رجوع کیا ہے یہاں تک کہ ان کا فقر انکے لئے باعث فخر ہوا اس لئے کہ اس کے آنے سے نہ تو وہ خوش ہوتے ہیں اور نہ ہی جانے سے غمگین ہوتے ہیں''۳۱۔

قرآن کریم میں فقر کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے، ایک مفلسی کے معنی میں اور دوسرا کہ تمام انسان حق تعالیٰ کے محتاج ہے اور صرف اسی کی ذات غنی ہے، فقر کے معنی فقط مال کی کمی نہیں بلکہ قلب و ایمان کی کیفیت سے ہے لہذا یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قناعت اور استغناء فقر کی ہی خصوصیت ہے۔

(۵) توکل:

معنی و مفہوم

''الثقة بالله والإيقان بأنّ قضاءه ماض، واتباع نبيه في السعي فيما لا

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

بد له منه من الأسباب"[32]

ضروری اسباب کے اختیار کرنے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے اللہ عزوجل پر بھروسہ رکھنا اور اس بات کا یقین رکھنا کہ جو کچھ مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا۔

"توکل" کے لغت میں کسی پر بھروسہ اور اعتماد سے عبارت ہے اس لفظ کے مادے میں عاجزی کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے، لہٰذا اہل تصوف کے نزدیک معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے اور اس کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کرنے کو توکل علی اللہ کہا جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ سے حدیث مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لو أنكم تتوكلون على الله حق توكله لرزقكم كما يرزق الطير تغدو خماصا وتروح بطانا[34].

"اگر تم خدائے تعالیٰ پر کامل توکل کرو تو وہ ہر حال میں تمہیں روزی دے گا جس طرح پرندوں کو روزی دیتا ہے"۔

حضرت ابراہیم خواصؒ فرماتے ہیں کہ

"توکل کی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے خوف اور امید کو دل سے نکال دیا جائے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ توکل یہ ہے کہ آج کی زندگی کو بے فکری سے گزارے اور کل کی فکر نہ کرے"[35]۔

لیکن تصوف میں توکل کا یہ بھی مفہوم نہیں سمجھا جاسکتا کہ انسان محتاج ولاچار بن کر خود کو متوکل ظاہر کرے۔ شیخ عبدالقادر عیسیٰ "تصوف کے حقائق" میں توکل کے بارے ایک حدیث شریف نقل کرتے ہیں

"ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اونٹنی کو کھلا چھوڑ کر اللہ پر توکل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے باندھ پر اللہ پر توکل کر" [36]۔

حضرت ابو علیؒ توکل کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"توکل کے نگاہ رکھنے کے تین درجے ہیں اول یہ کہ کچھ حاصل ہو تو خدا کا شکر ادا کرے، جب نہ ملے تو صبر کرے، ملنا یا نہ ملنا اس کی نظر میں بھی برابر ہوں، تیسرے یہ کہ نہ ملنے پر بھی شکر کرے اور جانے کے خدا کی اس میں مصلحت ہے"۔[37]

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

مندرجہ بالا افکار کی روشنی میں صوفیاء کرام راہ سلوک کے مسافروں کو تعلیم دے رہے ہیں کہ توکل کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر بھروسے کی امید نہ کرے ہر حال میں شکر کرنے والا اور خدا کی مرضی اور رضا میں خوش رہے۔

(۲) توبہ:

اہل تصوف حضرات نے "توبہ" کو مقامات سلوک کی سب سے پہلی منزل قرار دیا ہے، کسی بھی صوفی یا ولی کو بغیر توبہ کے معرفت خداوندی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اہل تصوف کے نزدیک توبہ میں راہ نجات پوشیدہ ہے، بغیر توبہ کے معشوقِ حقیقی کا قرب حاصل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔

توبہ کے لغوی معنی کسی چیز سے دوسری چیز کی طرف رجوع کرے، اور شرع میں توبہ کے معانی خوف خدا کی وجہ سے غلط کاموں سے باز آکر نیک کاموں کی طرف توجہ کرنا ہے خدا کی اطاعت و بندگی صدق دل سے کرنا اور احکام خداوندی سے ہرگز منہ نہ موڑنا در اصل یہی توبہ ہے۔ شیخ عبد القادری جیلانیؒ لفظ "تصوف" میں "ت" سے توبہ ہی مراد لیتے ہیں ان کے نزدیک معرفت کے راستے کی ابتداء ہی توبہ سے ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں

> "ت، سے مراد توبہ ہے اور وہ دو طرح کی ہوتی ہے توبہ ظاہری اور توبہ باطنی، توبہ ظاہری یہ ہے کہ انسان قولاً و فعلاً اپنے تمام اعضائے ظاہری کو گناہوں اور برائیوں سے ہٹا کر اطاعت کی راہ اختیار کرے نیز خلاف شریعت اعمال سے توبہ کرکے اس کے احکام کے مطابق عمل کرے، توبہ باطنی یہ ہے کہ انسان دل کو آلائشوں سے پاک رکھے اور شریعت کے موافق اعمال صالحہ کی طرف رجوع کرے پھر جب برائی نیکی سے بدل جائے تو "ت" کا مقام مکمل ہو گیا یعنی اس کو کامل توبہ نصیب ہو گئی" [۳۸]

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ فرماتے ہیں:

> "جو شخص تصوف کی دنیا میں داخل ہونے کا آرزو مند ہو اسے چاہیے کہ سونے سے پہلے توبہ کرے اور اپنے دل کو عاداتِ ذمیمہ (بُری عادتوں) سے پاک کرے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کے قول کے مطابق وہ عاداتِ ذمیمہ یہ ہیں: غِل (یعنی بغض و کینہ)، غَش (دھوکہ)، حِقد (عداوت)، حسد، حرص، کِبر (تکبر)، بُغض، ریا اور غضب۔ شیخ الاسلام حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی) نے فرمایا ہے کہ جب تک آدمی دل کو ان اَوصاف ذَمیمہ سے پاک نہ کرلے، گلیم (گِ-لِ-ی-م) یعنی کمبل اور صوف پہننا روا نہیں"۔ [۳۹]

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

(۷) انابت:

انابت کے معنی ہیں خدا کی طرف خشوع و خضوع کے ساتھ رجوع کرنا

اصطلاح تصوف میں "انابت" یہ ہے کہ راہ سلوک کے مسافر نہایت صدق دل کے ساتھ دنیاوی ہوس سے بے نیاز ہو جائے اور صرف اپنے مالک حقیقی کی طرف ہی رجوع کرے اس کے لئے سالک کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ معرفت خدا کے متعلق صحیح علم حاصل کرے جس قدر اس کے اندر معرفت خداوندی صحیح ہوگی اسی اعتبار سے اس کا ایک ایک عمل صحیح اور درست اور بارگاہ خداوندی میں مقام ارفع ہوتا چلا جائے گا۔ کشف المحجوب میں علی ہجویریؒ رقمطراز ہیں:

"ظاہر میں ارکان بندگی (احکام شریعت کی پابندی کا جس قدر اہتمام ہوگا اسی درجے کی پابندی میں خداوند تعالیٰ کی معرفت موجود ہوگی"۔[۴۰]

مومن کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ احکام خداوندی کی پابندی کا خیال نہایت اخلاص و محبت کے ساتھ کرے، یہی دین کی اصل روح اور نجات کا باعث ہے جب بندہ اپنے حقیقی مقصدِ زندگی سے مکمل طور پر آگاہی حاصل کرلیتا ہے تو خالق حقیقی کے تمام اسرار و رموز کے درس پر آہستہ آہستہ وارد ہونے لگتے ہیں جس کا نتیجہ اس حقیقت کے ساتھ سامنے آتا ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی پیدا کردہ ہے، ہر کام میں اسے باری تعالیٰ کی حکمت و دانائی نظر آتی ہے اور جب یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو عارف کو کسی چیز کو دیکھ کر حیرت نہیں ہوتی کیوں کہ وہ اس بات سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے کہ خالق حقیقی کی قدرت و کمال لامتناہی ہے، ساری کائنات کی طاقت اس کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور تمام کی تمام مخلوقات اس کے اشارے کے بغیر حرکت نہیں کر سکتی۔ اصل صوفی بھی وہی ہے جب رجوع الی اللہ کرے تو حق و باطل کی بحث میں الجھنے کے بجائے صرف یہ فکر دامن گیر ہو کہ وہ احکام شرعیہ کی پابندی میں کہیں کوتاہی تو نہیں برتی جا رہی۔

لہٰذا توبہ کے بعد اہل تصوف کے نزدیک انابت کی منزل آتی ہے تو سالک کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ دنیاوی حرص و طمع و لالچ سے پاک ہو کر صدق دل سے اللہ کی طرف رجوع کرے اور رجوع الی اللہ کا صحیح لطف اسی وقت ممکن ہے جب اسے معرفت خداوندی کا صحیح علم ہو، اور اس کا ماخذ صرف قرآن اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں پوشیدہ ہے۔

(۸) زُہد:

زہد کی تعریف: امام غزالیؒ زہد کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اپنی رغبت اور ارادے کو ایک چیز سے ہٹا کر دوسری چیز کی طرف مبذول کرنا جو اس پہلی چیز سے بہتر ہو زہد کہلاتا ہے، آپ مزید فرماتے ہیں کہ زاہد کے لئے دو چیزوں کی ضرورت

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

ہے ایک وہ چیز جس سے بے رغبتی اختیار کی جائے اور دوسری جس میں رغبت کی جائے اور وہ پہلی چیز سے بہتر ہو نیز جس چیز سے بے رغبتی کی جائے اس کا بھی کسی نہ کسی اعتبار سے مرغوب و مطلوب ہونا ضروری ہے جو شخص ایسی چیز ترک کرے جو کسی بھی طرح مطلوب نہ ہو ایسے زاہد نہیں کہا جائے گا"۔[۴۱]

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ فرماتے ہیں ہیں: ایک مرتبہ میں اور برادرم بہاء الدین یکجا بیٹھے تھے۔ زہد کے بارے میں بات چل نکلی۔ شیخ الاسلام حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے فرمایا: زہد تین چیزوں کا نام ہے جس میں یہ نہیں اسے زاہد کہلانے کا حق نہیں:

1- دنیا کو پہچاننا اور اس سے مایوس ہونا

2- مولا کی خدمت کرنا اور اس کے حقوق کی نگہداشت کرنا

3- آخرت کی طلب اور اس کے حصول میں لگاتار کوشاں رہنا۔[۴۲]

حقیقی زہد یہ ہے کہ انسان دنیا کے مال و متاع کی جانب التفات نہ کرے اور باوجود اس کے حاصل کرنے کی قدرت کے پھر اس کی جانب متوجہ نہ ہو۔ اور زہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات ۳۲واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کے جملہ ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر ہیں اور آخرت ہی بہتر اور پائدار ہے جس وقت یہ نور حاصل ہوتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی کسی بیش قیمت جواہر کے مقابلے میں قلب میں ایک پھٹے پرانے چیتھڑے کی وقعت ہوا کرتی ہے۔

(۹) رضا:

اہل تصوف اور صاحب معرفت حضرات کے درمیان "رضا" کے مفہوم میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے، بعض صوفیاء کرام رضا کو مقامات تصوف میں شمار کرتے ہیں اور بعض صاحب معرفت کا کہنا ہے کہ یہ حالات تصوف میں سے ایک ہے اور اس میں کسب کو کچھ دخل نہیں، رضا کی شاخ توکل کے بیج سے پھوٹتی ہے لیکن اس کی اہمیت توکل سے زیادہ ہے، بقول ڈاکٹر اعجاز حسین:

"اس کی سرحد توکل سے ملی ہوئی ہے لیکن اس سے افضل و برتر ہے اس منزل پر سالک کر مرضی خدا کی جستجو ہوتی ہے اور یہی نہیں کہ جو کچھ اس کے توکل کا فیصلہ خدا کی جانب سے ہوتا ہے اس کو اپنی خواہش سمجھتا ہے اور راضی رہتا ہے، بلکہ خلاف امید بھی اگر کوئی بات ظہور میں آتی ہے تو اس کو بھی بے چوں چرا گوارہ کرتا ہے"۔[۴۳]

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

مختصر طور پر اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ رضا کی ابتداء کسب سے ہوتی ہے یعنی رضا کا حصول بذریعہ کسب ہوتا ہے اور یہ مقامات تصوف میں سے ہے اور اس کی انتہا حال ہے جو بذریعہ کسب حاصل نہیں کیا جاسکتا یہ عطیات الٰہی میں سے ہے اور اس عطا بھی خدا کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے عطا کردے۔

بعض صوفیاء کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ تصوف میں رضا کے معنی یہ ہیں کہ بندہ خدا کے حکم اور اس کی رضا پر سر خم کرے، وہ جس حال میں رہے اس کے متعلق یہ خیال کرے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے ہر حال میں صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے، وہ کبھی دے کر آزماتا ہے اور کبھی لے کر، لہٰذا سالک کو اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ ہر امر خدا کی مرضی سے ہی ہوتا ہے اور وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے اور رحمت کا باعث بھی۔

کشف المحجوب میں ہے:

> "جب بندے نے حق تعالیٰ کے اختیار کو مد نظر رکھا اور اپنے اختیار سے روگردانی کی تو وہ ہر قسم کے رنج و غم سے آزاد ہو گیا، اور یہ بات حق تعالیٰ سے دوری کی صورت میں حاصل نہیں ہوتی کیوں کہ اس کے لئے حضور حق کی ضرورت ہے کیوں کہ رضا بقضائے الٰہی غموں کو دور کرنے والی اور غفلت کا شافی علاج ہے یعنی رضا آدمی کو غموں سے نجات دلاتی ہے غفلت کے پنجے سے رہائی دلاتی ہے"۔ ۴۴

(۱۰) شیخ یا مرشد:

جس طرح فقہ کے ماہر کو فقیہ، مفتی اور مجتہد کہتے ہیں اسی طرح تصوف و سلوک کے ماہر کو صوفی، شیخ، مرشد اور عام زبان میں پیر کہا جاتا ہے، جس طرح قرآن و سنت سے فقہی مسائل و احکام نکالنا اور حسب حال شرعی حکم معلوم کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں، بلکہ رہنمائی کیلئے استاذ یا فقیہ اور مفتی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اسی طرح صوفیاء کرام کے نزدیک باطن کی اصلاح و تزکیہ نفس کے لئے ایک شیخ کامل کی ضرورت ہوتی ہے جسے اصطلاح تصوف میں پیر یا مرشد کہا جاتا ہے۔

(۱۱) بیعت:

بیعت کے معنی ہیں وعدہ و عہد کرنے کے اصطلاحات شریعت میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا عدہ کرنے کو بیعت کہتے ہیں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ".[۴۵]

"جو لوگ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بیعت کرتے ہیں حقیقت میں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں"۔

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ"[46]۔

یقیناً اللہ ان مومنوں سے راضی ہو گیا جب کہ وہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے ایک درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

اصطلاحات تصوف میں بیعت یہ کہ ہے مرید ایک شیخ کامل کے ہاتھ پر اطاعت خداوندی اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم احکام اسلام پر عمل پیرہ رہنے کا وعدہ کرے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بیعت کرنے کو سنت قرار دیا ہے واجب نہیں[47]۔

خلاصہ:

ہم اس تمام گفتگو سے یہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں کہ تصوف اور اصطلاحات تصوف خلاف اسلام نہیں بلکہ اشاعت اسلام کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ تصوف کسی خاص طبقے کی میراث نہیں بلکہ تصوف کا رشتہ عوام سے بھی بڑا گہرا ہے۔ تصوف کا تعلق براہ راست ایمان اور وجدان سے ہے۔ جن میں اصل ہستی ذات باری تعالیٰ ہے جو سب کا رب ہے جو بے امتیاز کافر و مومن کو رزق دیتا ہے۔ جو انسان کو شکوک و شبہات کی بھول بھلیوں سے نکال کر ان خطوں میں لے آتا ہے جہاں رحم و شفقت کی کرنیں سب پر یکساں پڑتی ہے۔ تصوف کے راستہ پر چلنے کی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو پاک و صاف کرے اور شریعت اسلامیہ کا پابند ہو۔ صوفی ازم اور تصوف کی منزلیں ایسی دشوار گزاہیں کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ایک ہادی و رہبر کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس کو پیر و مرشد کہتے ہیں۔ اصطلاح صوفیاء میں جب انسان کا دل پاک و صاف ہو جاتا ہے تو وہ مختلف منزلوں سے گزرنے کے بعد وجد اور استغراق کے مرحلوں سے گزر کر ذات الٰہی کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ یہ بڑا بلند مقام ہے اور اسے فنافی اللہ کہتے ہیں اور بعض صوفی مدعی ہیں کہ اس کے بعد بھی ایک مقام ہے جس مقام بقاء کہتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ صوفیاء کرام نے اپنے عمل و کردار سے لوگوں کے سینوں میں حرارت بخشی اور غافل انسانوں کو ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن اور ایک کعبہ کی طرف بلایا۔ اُنہیں اخوت و محبت کا درس عام دیا اور خود شناسی کو خداشناسی کا بہترین ذریعہ قرار دیا۔ بعض صاحب عقل حضرات نے کہا "صوفی باصفاوہی ہوتے ہیں جو دنیا کی محبت کو دل سے نکال دیں اور معبود کی محبت کو زندگی کا قرینہ بنالیں"۔

مذکورہ بالا تمام تحریر کا مقصد اس بات کو واضح کرنا ہے کہ تصوف اور صوفی ازم اسلام سے متصادم نہیں بلکہ اسلام ہی کا حصہ ہے۔ صوفی ازم عالمی امن کا ضامن اور احترام انسانیت کا علمبردار ہے۔ صوفی ازم میں علاقائی، نسلی، لسانی اور رنگ کی تفریق کو پس پشت ڈال کر وحدت ملت کا درس ہے۔ صوفی ازم و تصوف بے سکوں انسانیت کے لئے شجر سایہ دار ہے۔

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

حواشی وحوالہ جات

۱۔ دریا آبادی عبد الماجد، تصوف اسلام، ص ۲۱، اسلامک بک فاونڈیشن لاہور، ۱۹۸۰ء

۲۔ جوزی عبد الرحمٰن، تلبیس ابلیس، مترجم محمد عبد الحق، ص ۷، نور محمد اصح المطابع، کراچی

۳۔ میر ولی الدین، قرآن و تصوف، ص ۱۷، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۴۸ء

۴۔ عظیمی خواجہ شمس الدین، احسان و تصوف، ص ۳۲ شعبہ علوم اسلامیہ

۵۔ القشیری ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن: الرسالۃ القشیریہ، ترجمہ محمد عبد النصیر العلوی، ص ۴۱۶، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

۶۔ ہجویری ابو الحسن سید علی بن عثمان: کشف المحجوب، اردو ترجمہ عبد الرحمٰن طارق، ص ۴۱۶ لاہور، ادارہ اسلامیات، طبع اول ۲۰۰۵

۷۔ دریا آبادی عبد الماجد، تصوفِ اسلام ص ۲۱، اسلامک بک فاونڈیشن لاہور، ۱۹۸۰ء

۸۔ نووی، یحیی بن شرف، اربعین نووی، مترجم پروفیسر سعید مجتبیٰ، ص ۴۸، دار السلام

۹۔ بقرۃ، آیت ۱۲۹

۱۰۔ الشمس ۹، ۱۰

۱۱۔ انعام: ۱۲۰

۱۲۔ سہروردی شہاب الدین، عوارف المعارف، مترجم: حافظ سید رشید احمد ارشد، ص ۹۷، شیخ غلام اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز، ۱۹۹۳

۱۳۔ سہروردی شہاب الدین، عوارف المعارف، مترجم: حافظ سید رشید احمد ارشد، ص ۹۷، شیخ غلام اینڈ سنز لمیٹڈ پبلشرز، ۱۹۹۳

۱۴۔ مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب نمبر ۳۰، ط: ادارہ مجددیہ ناظم آباد

۱۵۔ عثمانی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ۴، ص ۴۸۹، مکتبہ معارف القرآن

۱۶۔ پانی پتی قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری مترجم سید عبد الدائم جلالی، ص ۲۹۳، دار الاشاعت کراچی ۱۹۹۹ء

۱۷۔ عبد الکریم بن ہوازن رسالہ قشیریہ مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص ۲۶۵، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۱۸۔ ہجویری عثمان علی، کشف اا لمحجوب، مترجم مولانا محمد حسین، ص ۲۰۰، ملک دین اینڈ سنز

۱۹۔ شاہ نیاز احمد بریلوی، دیوان نیاز، شاہ احمد بریلوی، ص ۵۲، مطبع مجتبائی

۲۰۔ ہجویری عثمان علی، کشف المحجوب، مترجم مولانا محمد حسین، ص ۲۰۰، ملک دین اینڈ سنز

۲۱۔ عبد الکریم بن ہوازن رسالہ قشیریہ مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص ۲۰۳، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۲۲۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، التکشف عن مہمات تصوف، ص ۱۹۴، علی کامران پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۶ء

۲۳۔ شیخ ابو نصر، کتاب اللمع فی التصوف، مترجم سید اسرار بخاری، ص ۵۶۴، اسلاک بک فاونڈیشن ۱۹۸۴ء

۲۴۔ شاہ سید محمد ذوقی، شمامۃ العنبر، ص ۱۸۶، محفل ذوقیہ نارتھ کراچی ۱۹۹۰ء

۲۵۔ شیخ ابو نصر، کتاب اللمع فی التصوف، مترجم سید اسرار بخاری، ص ۵۶۴، اسلاک بک فاونڈیشن ۱۹۸۴ء

۲۶۔ عبد النصیر بن عبد البصیر، تصوف کا انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۴۰

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Vol.2 | Issue 1 |July-December 2018
DOI: 10.33195/uochjrs-v2iIII1012018

۲۷۔ ابن عربی شیخ محی الدین، فتوحات مکیہ، ص ۴۴

۲۸۔ محمد:۲۸

۲۹۔ ہجویری، سید علی، کشف المحجوب، مترجم مولانا محمد حسین، ص ۲۳، ملک دین ایک سنز

۳۰۔ ہجویری سید عثمان علی، کشف المحجوب، مترجم طفیل محمد ص ۸۵، جے کے آفسیٹ پرنٹرز، دہلی، ۱۹۸۱ء

۳۱۔ ہجویری، سید علی، کشف المحجوب، مترجم مولانا محمد حسین، ص ۲۴، ملک دین ایک سنز

۳۲۔ القاموس الفقہیۃ، ج ۱۴، ۱۸۵

۳۳۔ یونس:۸۴

۳۴۔ عسقلانی ابن حجر، ہدایۃ الرواۃ الیٰ تخریج الاحادیث المصابیح والمشکاۃ، ص ۵۴، جلد ۵، دار ابن قیم

۳۵۔ جیلانی، سید عبد القادریؒ، غنیۃ الطالبین، مترجم امان اللہ خاں ارمان، ص ۶۱۵، اعتقاد پبلشنگ ہاوس

۳۶۔ عیسیٰ، عبد القادر، تصوف کے حقائق، مترجم مفتی یوسف ص ۲۳۳ مکتبہ رضویہ کراچی

۳۷۔ جیلانی، سید عبد القادریؒ، غنیۃ الطالبین، مترجم امان اللہ خاں ارمان، ص ۶۱۵، اعتقاد پبلشنگ ہاوس

۳۸۔ طاہر القادری، حقیقت تصوف، ص ۹۵، منہاج القرآن پبلشرز، لاہور

۳۹۔ فریدی نور احمد خان، تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، ص ۱۴۲، محکمہ اوقاف پنجاب

۴۰۔ ہجویری سید عثمان علی، کشف المحجوب، مترجم طفیل محمد ص ۲۲۲، جے کے آفسیٹ پرنٹرز، دہلی، ۱۹۸۱ء

۴۱۔ غزالی ابو حامد، إحیاء العلوم، کتاب الفقر والزہد، ج ۴، ص ۶۴۵، مکتبہ المدینہ کراچی

۴۲۔ فریدی نور احمد خان، تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، ص ۱۴۲، محکمہ اوقاف پنجاب

۴۳۔ ڈاکٹر اعجاز حسین، مذہب وشاعری، ص ۱۴۲

۴۴۔ ہجویری، سید علی، کشف المحجوب، مترجم ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی، ص ۱۹۵، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

۴۵۔ فتح: ۱۰

۴۶۔ فتح:۱۸

۴۷۔ حسینی سید عبد القادری، مزرعۃ الاخریٰ، حصہ ششم جلد دوم، ص ۹۴۲، مکتبہ رحمانیہ

CC BY

@ 2017 by the author, Licensee University of Chitral, Journal of Religious Studies. This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).